احکامِ بیع

جناب پروفیسر ڈاکٹر طاہر منصوری

دھوکے اور ضرر رسانی کی بناء پر ناجائز سودے

اس باب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث مروی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر سے منع فرمایا ہے کہ کوئی اپنے بھائی کی بیع میں مداخلت کر کے وہ چیز خرید لے جو اس کا بھائی خرید رہا ہے۔ اسی طرح دوسرے شخص کے بھاؤ پر بھاؤ کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ اسی طرح تلقی الرکبان کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ (اس کا مطلب یہ ہے کہ شہری تاجر قافلے کا سامان منڈی تک پہنچنے سے پہلے ہی شہر سے باہر اہلِ قافلہ سے ارزاں نرخوں پر خرید لیں اور بعد میں اپنی مرضی پر اسے فروخت کریں)۔ اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہاتی تاجر کے سامان کی بیع کرنے سے شہری کو منع فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص محض قیمت بڑھانے کی غرض سے کسی کی دی ہوئی بولی پر بولی دے، جبکہ اس کا مقصد خریدنا نہ ہو۔ ان آثار کی تفصیل میں علماء کی مختلف آراء ہیں، تاہم یہ اختلافات بنیادی نوعیت کے نہیں ہیں۔

سودے پر سودے کی ممانعت

مالکی نقطۂ نظر

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول **لا یبیع بعضکم علی بیع بعض** کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کوئی آدمی بائع کی طرف سے فروخت کے لیے رکھی ہوئی چیز کی قیمت لگانے والے آدمی کے مقابلے میں اس چیز کی قیمت زیادہ لگائے، خاص کر اس وقت جب بائع اس عقد میں قیمت لگانے والے پہلے خریدار کی

☆ جس نے قبل از وقت کسی شی کے حصول کی کوشش کی اسے اس سے محرومی کی سزا دی جائے گی ☆

طرف مائل (راضی) ہو، بائع اور مشتری کے درمیان محض تھوڑی سی چیزوں کا تصفیہ باقی ہو، (یعنی ان کے درمیان تقریباً سودا طے پاچکا ہو)، جیسے بائع یا مشتری کا چاندی کی جگہ سونے میں لین دین کرنا یا مبیع میں نقص سے متعلق شرائط عائد کرنے کا مسئلہ (کہ مبیع میں عیب نہیں اور یہ کہ عیب کی صورت میں مشتری کو سودا فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا، یا یہ کہ بائع کسی عیب کا ذمہ دار نہیں ہوگا)، ان امور کے علاوہ باقی پر ان کے درمیان تصفیہ ہو چکا ہو۔ امام مالکؒ نے اس حدیث کی جو تفسیر کی ہے، امام ابوحنیفہ کا بھی وہی مسلک ہے۔ امام ثوری فرماتے ہیں کہ **لایبیع بعضکم علی بیع بعض** کا مفہوم یہ ہے کہ بائع اور مشتری کے سودے میں کوئی تیسرا شخص یہ کہتے ہوئے مداخلت نہ کرے کہ میرا سامان اس سامان سے اچھا ہے۔ امام ثوریؒ نے بائع کے مشتری کی بتائی ہوئی قیمت پر راضی ہونے اور اس عقد کی طرف مائل ومتوجہ ہونے، یا کسی اور چیز کے وقت کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جب معاہدۂ بیع زبان سے مکمل ہو جائے، مگر بائع اور مشتری ابھی تک الگ نہ ہوئے ہوں کہ اسی اثناء میں ایک اور آدمی آ جائے اور اپنا سامان پیش کرتے ہوئے کہے کہ میرا سامان اس سامان سے اچھا ہے۔ یہ ان کے اس مسلک کے مطابق ہے کہ خرید وفروخت اس وقت تک لازم نہیں ہوتی جب تک زبان سے اقرار کرنے کے بعد دونوں ایک دوسرے سے الگ نہ ہو جائیں۔

امام شافعی اور امام مالکؒ اس امر پر متفق ہیں کہ (حدیث میں) ممانعتِ عقد کا تعلق اس حالت اور مرحلے سے ہے جب معاہدہ لازم ہونے کے قریب ہوتا ہے، تاہم دونوں میں اختلاف اس مسئلے پر ہے کہ لزومِ معاہدہ کا مرحلہ کون سا ہے؟ **(بدایة المجتهد ۲: ۱۲۴)**

شہری کا دیہاتی کی اشیاء فروخت کرنا

حنفی نقطۂ نظر

اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس غلہ یا چارہ ہو جسے وہ صرف دیہات والوں کو ہی مہنگی قیمت پر فروخت کرے، یہ ناجائز ہے، کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کوئی

شہری دیہاتی کے لیے کوئی شے فروخت نہ کرے۔ لوگوں کو آزاد چھوڑ دو کہ اللہ ایک کو دوسرے کے ذریعے روزی فراہم کرے''۔

اور اگر اس نے اسے فروخت کیا تو بیع جائز ہوگی، کیونکہ ممانعت کا تعلق نفس بیع سے نہیں، بلکہ خارجی امر سے ہے، جو یہ ہے کہ اس سے اہل شہر کو نقصان پہنچتا ہے۔ یہ (خارجی امر) ایسی چیز نہیں ہے جس کی بنا پر بیع فاسد ہوتی ہو جیسے اذان جمعہ کے وقت سودا کرنا۔ (بدائع الصنائع ۵: ۲۳۱)

مالکی نقطۂ نظر

جہاں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا تعلق ہے کہ شہری دیہات میں رہنے والوں کی اشیاء (بطور وکیل) فروخت کرنے کا کام نہ کرے، تو اس کی تشریح میں علماء میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شہری لوگ دیہاتی افراد کا سامان کسی طور پر فروخت نہ کریں، البتہ دیہاتی کے لیے شہری کی خریداری کے سلسلے میں امام مالک سے مختلف اقوال منسوب ہیں۔ بعض اقوال سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اس کی اجازت دی ہے۔ ابن حبیب نے اسی کی تائید کی ہے۔ بعض دیگر اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس کی ممانعت کے قائل ہیں۔

شہری افراد سے مراد بڑے شہروں کے باشندے ہیں۔ امام مالک سے یہ بھی منقول ہے کہ ان کے نزدیک دیہات والے خانہ بدوشوں کی اشیاء بھی فروخت نہیں کر سکتے۔ اسی طرح کی رائے امام شافعی اور امام اوزاعی کی بھی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ شہری کے دیہاتی کے لیے سامان فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ وہ اسے بازاری نرخ بتادے۔ جو لوگ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، وہ اس امر پر متفق ہیں کہ ممانعت کی حکمت شہری افراد (عام صارفین) کے مفاد کا تحفظ ہے، (کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ شہری تاجر دیہاتی کا مال مہنگے داموں پر فروخت کرے جس کا نقصان شہر کے عام صارفین کو ہوگا۔ اس کے برعکس دیہاتی اگر خود یہ مال فروخت کرے گا تو وہ سستے داموں پر فروخت کرے گا، کیوں کہ دیہات والوں کے ہاں اشیائے ضرورت عام طور پر شہر کے مقابلے میں سہل الحصول، ارزاں بلکہ بسا اوقات مفت ہوتی ہیں)۔ ممانعت کے قائل افراد کے نقطۂ نظر سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ کسی دیہاتی کے مفاد

☆ جب حقوق باہم متعارض ہوں تو ان میں جس کا وقت تنگ ہو اسے ترجیح حاصل ہوگی ☆

میں شہری کے کام کرنے کو ناپسند کرتے ہیں، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''دین خیر خواہی کا نام ہے'' (اس خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ نرخ بتانے کے عمل کو درست قرار دیا جائے)۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے اسی حدیث کی بنیاد پر اس کے جواز (نرخ بتانے کے جواز) کا فتویٰ دیا ہے۔ جمہور کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام مسلمؒ اور ابوداؤدؒ نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی شہری کسی دیہاتی کے لیے خرید و فروخت نہ کرے، لوگوں کو آزاد چھوڑ دو تاکہ اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعے رزق دے''۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہ آخری اضافہ صرف سنن ابی داؤدؒ ہی میں ہے۔ لگتا یہ ہے کہ دیہاتی کو دھوکا دینے کے قبیل سے ہے، کیونکہ وہ شہر آتا ہے اور اسے نرخ معلوم نہیں ہوتا۔ اگر یہ اضافہ درست ثابت ہو جائے تو اس صورت میں حدیث کا مفہوم تلقی الرکبان کی ممانعت والا ہو جائے گا، جیسا کہ امام شافعیؒ نے سمجھا ہے اور یہ صحیح حدیث سے بھی ثابت ہے۔

البتہ فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ اگر ایسا سودا ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام شافعیؒ کے نزدیک جب سودا ہو جائے تو خرید و فروخت جائز سمجھی جائے گی، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں کو آزاد چھوڑ دو کہ اللہ ان کو ایک دوسرے کے ذریعے روزی دے''۔

اس تشریح میں امام مالک کے شاگردوں کا اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ایسا سودا فسخ ہو جائے گا اور بعض یہ کہتے ہیں کہ فسخ نہیں ہوگا۔ (بدایۃ المجتھد ۲: ۱۲۵)

منڈی سے باہر مال خریدنے کی ممانعت

حنفی نقطۂ نظر

اس کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ کسی شخص کو جب کسی ایسے قافلے کی آمد کا پتہ چلے جو بڑے تجارتی سامان کے ہمراہ آ رہا ہو تو کوئی شخص اسے راستے میں جا کر ملے اور اس کے پاس جو بھی خورونوش کا سامان ہو وہ خریدے اور شہر میں واپس آ کر اسے مرضی کی قیمت پر فروخت کرے۔ یہ خریداری مکروہ ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''تم راستے میں (منڈی سے باہر) سامان کا سودا نہ کرو، یہاں تک کہ تاجر منڈی میں سامان اتار نہ دے''۔

یہ حکم اس وقت ہے جب اہل شہر کو اس عمل سے نقصان پہنچے، مثلاً وہ خشک سالی اور قحط وغیرہ کا شکار ہوں، لیکن اگر یہ اہل شہر کے لیے نقصان دہ نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بعض فقہاء اس کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ کوئی شخص اہل قافلہ کو جا کر ملے اور ان سے سامان منڈی کے بھاؤ سے کم پر اس عالم میں خرید لے، جبکہ قافلے والوں کو منڈی کے بھاؤ کا علم نہ ہو۔ یہ بھی مکروہ ہے۔ خواہ اس سے شہر والوں کو نقصان ہوتا ہو، یا نہ ہوتا ہو۔ اس کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اہل قافلہ کو دھوکا دیا ہے، تاہم مذکورہ صورتوں میں خریداری جائز ہے، کیونکہ خرید وفروخت فی نفسہ جائز ہے، ممانعت کا تعلق ایک خارجی امر سے ہے۔ (بدائع الصنائع ۵: ۲۳۲)

مالکی نقطۂ نظر

خرید وفروحت کے باب میں تلقی الرکبان کی ممانعت ہے جس کے مفہوم میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

امام مالک کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس سے مقصود بازار اور مارکیٹ (میں تجارت اور قیمتوں پر نظر و تجربہ رکھنے) والے تاجر ہیں، جنہیں دیہات سے سامان تجارت لانے والوں سے، منڈی میں پہنچنے سے قبل راستے میں ہی، سامان واشیائے ضرورت خریدنے سے اس لیے منع فرمایا تا کہ چند لوگ عام مارکیٹ والوں سے بڑھ کر سستی اشیاء پر اجارہ داری قائم نہ کر لیں۔ ان کے نزدیک، اشیائے ضرورت کو کھیت اور دیہات سے منڈی تک پہنچنے سے قبل ہی خرید لینا درست نہیں، جب کہ وہ اشیاء منڈی کے قریب پہنچ چکی ہوں۔ البتہ دور ہونے کی صورت میں خرید لینے میں کوئی حرج نہیں۔

امام مالک کے نزدیک، اس قرب کی حد چھ میل ہے، اس فاصلے تک اشیاء کی خریداری تو جائز ہے، لیکن خریدار تاجر کو چاہیے کہ اس سامان میں متعلقہ مارکیٹ کے باقی تاجروں کو بھی شریک کر لے۔

امام شافعی کے نزدیک اس ممانعت کا مقصد بائع، یعنی کھیت اور دیہات کے کاشت کار وغیرہ کے مفاد کا تحفظ ہے، تا کہ منڈی کے بھاؤ کی سوجھ بوجھ رکھنے والے تاجر راستے میں اس کی ناواقفی کا فائدہ اٹھا کر سستے داموں سامان نہ خرید لیں۔

☆ من استعجل الشئی قبل اوانہ عوقب مجرمانہ ☆

امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے، جب ایسا معاملہ ہو جائے تو علم ہونے پر اشیاء کے مالک دیہاتی یا کاشتکار کو سودا منسوخ کرنے یا برقرار رکھنے کا حق حاصل ہوگا۔

امام شافعی کی رائے کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے:

''منڈی میں سامان لانے والے سے راستے میں (منڈی سے باہر) خریداری نہ کرو، اگر اس طرح کا سودا ہو تو بائع کو حق حاصل ہے کہ وہ منڈی پہنچ کر (اس کا حقیقی بھاؤ دیکھ کر) سودے کو منسوخ کردے''۔ مسلم اور دیگر محدثین نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ **(بدایۃ المجتهد ۲:۱۲۵)**

جھوٹی بولی دینے کی ممانعت

نجش یا جھوٹی بولی دینا یہ ہے کہ کوئی شخص مبیع کی تعریف کرے اور اس کی قیمت لگائے جب کہ اس کا ارادہ خریدنے کا نہ ہو، بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہو کہ دوسرا شخص (جو واقعی خریدنے کا خواش مند ہو) یہ قیمت سن کر چیز کی زیادہ قیمت لگائے۔ یہ مکروہ ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش سے منع کیا ہے، کیوں کہ یہ مسلمان بھائی کو نقصان پہنچانے کی حیلہ سازی ہے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب وہ (حقیقی خریدار) اس کی اصل قیمت پر خریدنا چاہے، لیکن اگر اس نے سامان کو کم قیمت پر لینا چاہا اور کسی شخص نے فرضی گاہک بن کر مداخلت کی تا آنکہ مبیع کی قیمت مارکیٹ کی قیمت کے برابر ہوگئی تو یہ بات غلط نہ ہوگی، چاہے جعلی گاہک کا ارادہ اسے خریدنے کا نہ ہو۔

(بدائع الصنائع ۵:۲۳۳)

احتکار (ذخیرہ اندوزی) کی ممانعت

ذخیرہ اندوزی ناجائز ہے۔ اس بارے میں ہماری گفتگو دو عنوانات کے تحت ہے۔

۱- ذخیرہ اندوزی کا مفہوم کیا ہے؟ اور کسی انسان کو ذخیرہ اندوز کب کہا جاسکتا ہے؟

۲- ذخیرہ اندوزی کا شرعی حکم کیا ہے؟

ذخیرہ اندوزی کا مفہوم

ذخیرہ اندوزی کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص شہر سے غلہ خریدے اور پھر اسے فروخت نہ کرے اور یہ امر لوگوں کو نقصان پہنچانے کا باعث بنے۔ اسی طرح اگر اس نے کسی قریبی جگہ سے

غلہ خریدا اور اسے اٹھا کر کسی چھوٹے شہر لے گیا۔ اب اگر وہاں جا کر اسے فروخت نہ کرے تو وہ ذخیرہ اندوز کہلائے گا، کیونکہ اس کا اپنے مال کو فروخت نہ کرنا اہل شہر کو نقصان پہنچانے کا باعث بن سکتا ہے، لیکن اگر وہ شہر بڑا ہے جہاں اس طرح کی ذخیرہ اندوزی سے لوگوں کو نقصان نہ پہنچتا ہو، تو وہ ذخیرہ اندوز نہیں کہلائے گا۔ اسی طرح اگر وہ اس شہر میں کسی دور دراز جگہ سے غلہ لے کر گیا اور اس کو لے جا کر ذخیرہ کرلیا تو وہ ذخیرہ اندوز نہ کہلائے گا۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ وہ ذخیرہ اندوز شمار ہوگا، کیونکہ کوئی چیز خرید کر فروخت نہ کرنے کا عدم جواز اس بناء پر ہے کہ اس سے عام لوگوں کو نقصان ہوتا ہے، اور زیر بحث مسئلے میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ”غلہ دور سے اٹھا کر لانے والے کو رزق ملتا ہے“ اور یہاں یہ شخص دور سے غلہ لانے والا ہے۔ علاوہ ازیں وہ اس لیے بھی ذخیرہ اندوز نہیں ہے کہ ذخیرہ اندوزی کی حرمت اس شہر میں خریدی ہوئی شے کو روک لینے کی بناء پر ہے، کیونکہ لوگوں کے حقوق ومفادات کا تعلق اس سے ہوتا ہے۔ اگر وہ ان کا حق روک دے تو گویا وہ ان پر ظلم کرتا ہے۔ زیر بحث مسئلے میں اس طرح کی کوئی بات نہیں ہے، کیونکہ یہاں خریدی ہوئی شے کسی دور دراز جگہ سے لائی گئی ہے، اس لیے اس شہر کے لوگوں کا حق اس سے متعلق نہیں ہے، لہٰذا اس کا ظلم ثابت نہیں ہوتا، لیکن اس کے باوجود افضل یہ ہے کہ وہ ایسا نہ کرے، بلکہ وہ اس غلے کو فروخت کردے کیونکہ اس کو روک رکھنے میں مسلمانوں کا نقصان ہے۔

اسی طرح اگر اسے اپنی زمین سے کچھ پیداوار حاصل ہوئی اور اس نے اس پیداوار کو روک لیا تو یہ بھی ذخیرہ اندوزی نہ ہوگی، کیوں کہ اہل شہر کا حق اس سے متعلق نہیں ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ وہ ایسا نہ کرے۔

امام ابو یوسف کے نزدیک ذخیرہ اندوزی ہر اس چیز میں ثابت ہوتی ہے۔ جس (کی عدم دستیابی سے) عامۃ الناس کو تنگی اور پریشانی ہوتی ہو، خواہ وہ خوراک ہو یا کوئی اور چیز۔ امام محمد کے نزدیک ذخیرہ اندوزی صرف لوگوں کی خوراک، مثلاً گندم اور جانوروں کے چارے مثلاً گھاس وغیرہ میں ہوتی ہے۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ عام طور پر لوگوں کو خوراک اور چارے کی

ذخیرہ اندوزی سے نقصان ہوتا ہے، لہٰذا ذخیرہ اندوزی انہی اشیاء میں ثابت ہوگی۔ اس کے برعکس امام ابو یوسفؒ کا استدلال یہ ہے کہ ذخیرہ اندوزی کا عدم جواز عامۃ الناس کو پہنچنے والے نقصان کی بناء پر ہے اور یہ خوراک اور جانوروں کے چارے تک محدود نہیں ہے۔

ذخیرہ اندوزی کے احکام

ذخیرہ اندوزی کے متعدد احکام ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

الف: اس کا حرام ہونا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جس نے چالیس روز تک کھانے پینے کی اشیاء روک رکھیں تو وہ اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے''۔ یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ اتنی سخت وعید صرف حرام فعل کے ارتکاب پر ہی دی جاتی ہے، ایسا اس لیے ہے کہ ذخیرہ اندوزی ایک طرح کا ظلم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شہر میں فروخت ہونے والی چیز کے ساتھ اس شہر کے عام لوگوں کا حق متعلق ہوتا ہے۔ اگر ایک شخص نے خریدی ہوئی چیز کو لوگوں کی شدید ضرورت وحاجت کے باوجود فروخت سے روکے رکھا تو گویا اس نے اہل شہر کو ان کا جائز حق نہیں دیا، اور یہ ظلم کی ایک صورت ہے جو شریعت میں حرام ہے۔ حرمت کے حوالے سے ذخیرہ اندوزی کی مدت کا کم یا زیادہ ہونا دونوں یکساں ہیں، کیوں کہ دونوں میں لوگوں کے ساتھ زیادتی کا پہلو شامل ہے۔

ب: ذخیرہ کرنے والے کو اپنے ظلم کی تلافی کے طور پر سامان، فروخت کرنے کو کہا جائے گا، تاہم وہ صرف اتنا سامان فروخت کرنے کا پابند ہوگا جو اس کی اور اس کے گھر والوں کی خوراک سے فاضل ہوگا۔ اگر وہ ایسا نہ کرے اور ذخیرہ اندوزی پر اصرار کرے اور دوسری دفعہ حاکم وقت کے سامنے پیش ہونے کے باوجود سامان کی فروخت سے انکار کرے تو حاکم وقت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسے سمجھائے اور ڈرائے دھمکائے، لیکن اگر وہ پھر بھی ذخیرہ اندوزی پر اڑا رہے تو حاکم وقت تیسری شکایت پر اسے قید کرلے اور مناسب سزا دے۔ (بدائع الصنائع ۵: ۱۲۹)

☆ ثواب کا دارومدار نیت پر ہے ☆